اصلاح امت

دعوت و تبلیغ کا داعی

سلسلہ نمبر 154 | محرم الحرام 1447ھ | جولائی 2025

واقعات و سانحات محرم الحرام

ہجرت مدینہ | شہادت فاروق اعظمؓ | شہادت حضرت حسینؓ

ڈاکٹر مولانا نعمان نعیم
رئیس و مہتمم
الجامعة البنورية العالمية

شعبہ تصنیف و تحقیق

سانحات وواقعات محرم الحرام

(ہجرتِ مدینہ، شہادت امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ، شہادت حضرت حسینؓ وشہدائے کربلا)

اسلامی سال کا پہلا مہینہ :

اس کائنات کی طرح نظام کائنات بھی اللہ رب العزت کا بنایا ہوا ہے، اسی نے جس طرح آسمان و زمین بنائے ہیں اسی طرح رات دن کا نظام بھی اسی کا بنایا ہوا ہے، ایک مکمل رات اور ایک مکمل دن مل کر '' یوم '' کہلاتے ہیں، جسے دن اور روز بھی کہا جاتا ہے۔ رات اور دن کی ایک مخصوص تعداد کو، جو سات (7) دنوں پر مشتمل ہوتی ہے '' ہفتہ '' کہتے ہیں۔ جب دنوں کی تعداد انتیس یا تیس ہو جاتی ہے تو اس مجموعے کو '' ماہ '' یا مہینہ کہتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق مہینے کا آغاز نماز مغرب کے وقت مغرب کی سمت آسمان پر دکھائی دینے والے چاند (ہلال) سے ہوتا ہے۔ جب بارہ مہینے مکمل ہوتے ہیں تو اس مجموعے کو '' سال '' یا ''برس'' کہا جاتا ہے۔ اس طرح ایک سال میں مہینوں کی تعداد بارہ بنتی ہے۔

گریگورین یا عیسوی کیلنڈر میں اِن مہینوں کے نام بچے بچے کو معلوم ہیں : جنوری، فروری، مارچ، اپریل، مئی، جون، جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر دسمبر، لیکن بدقسمتی سے مسلمانوں کو سال کے اسلامی مہینوں کے نام تک

معلوم نہیں ہیں، یا اگر معلوم ہیں تو بھی چند مخصوص مہینوں کے، جیسے رمضان، ربیع الاول، ذوالحجہ اور محرم الحرام، حالانکہ اپنی اسلامی تاریخ سے وابستگی برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہمیں اور ہماری اولاد کو اسلامی مہینوں کے نام یاد ہوں۔ جیساکہ مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے لکھاہے: ''اسلامی تاریخ کا یاد رکھنا فرض کفایہ ہے، اگر تمام مسلمانوں نے اسلامی تاریخ کی حفاظت کرنی چھوڑدی تو سب مسلمان گنہگار ہوں گے، اس لیے مسلمانوں کو چاہیے اپنے تمام معاملات میں سن ہجری کا استعمال ضرور کریں۔''

(تفسیر معارف القرآن، مفتی محمد شفیعؒ)

سال کے اسلامی مہینوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) محرم الحرام (۲) صفر المظفر (۳) ربیع الاول
(۴) ربیع الثانی (۵) جمادی الاول (۶) جمادی الثانی
(۷) رجب المرجب (۸) شعبان المعظم (۹) رمضان المبارک
(۱۰) شوال المکرم (۱۱) ذوالقعدہ (۱۲) ذوالحجہ

زمانۂ جاہلیت میں بھی سال کا آغاز محرم ہی سے ہوتا تھا اور زمانۂ اسلام میں بھی اسلامی سال کا آغاز محرم سے کیا گیا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس دن اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان بنائے، اس کی گردش کے لیے بارہ مہینوں کی جو ترتیب قائم کی ہے اس میں محرم سب سے پہلا مہینہ ہے۔

مختلف تاریخی روایات اور متعدد احادیث کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ محرم الحرام کو ایک خاص تاریخی اہمیت حاصل رہی ہے، کیونکہ اس مہینے

میں، تاریخ اسلام کے کئی اہم واقعات پیش آئے، تفصیل موجب طوالت ہوگی، اس لیے ہم تاریخ اسلام سے جُڑے صرف تین واقعات کو ذکر کرتے ہیں:

نبی اکرم ﷺ کی ہجرت مدینہ منورہ:

اعلان نبوت کے فوراً بعد سخت مزاج و سنگ دل کفارِ مکہ نے نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی زندگیاں نہایت اجیرن کر رکھی تھیں اور اس حال میں مسلسل کم و بیش تیرہ برس کا عرصہ ہو رہا تھا، جبکہ اسی دوران اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کے مقابلے میں مدینہ منورہ میں موافق حالات پیدا فرمائے تھے۔ ان اطمینان بخش موافق حالات کے تناظر میں نبی اکرم ﷺ نے اپنے جانثار صحابہ کرامؓ کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم یہ کہتے ہوئے دیا تھا: ''اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے کچھ بھائی اور گھر بار مہیا فرما دیے ہیں، جہاں تم امن کے ساتھ رہ سکتے ہو۔'' اس حکم کے ملنے کے بعد صحابہ کرامؓ مدینہ کی طرف ہجرت کرنے لگے اور آپ ﷺ اپنی ذات کے بارے میں مکہ مکرمہ میں ہی ٹھہر کر حکم الٰہی کے منتظر رہے۔ صحابہ کرامؓ کی ہجرت مدینہ کی وجہ سے کفار مکہ کو ایک یقینی خطرے نے آ گھیرا، ان کو یہ خیال ستانے لگا کہ اگر محمد (ﷺ) کے حامیوں اور مددگاروں کی مدینہ میں معقول، معتبر، خاطر خواہ تعداد جمع ہوتی رہی تو ہمارا ان پر کوئی بس نہ چل سکے گا۔ اس خدشے نے ان سب کو دارالندوہ (قصی بن کلاب کے گھر) میں لا کھڑا کیا، جہاں طویل غور و خوض کے نتیجے میں یہ طے پایا کہ ہر قبیلے کا ایک ایک فرد مل کر ایک جماعت بنالے اور یہ جماعت بیک وقت مل

کر محمد (ﷺ) پر نعوذ باللہ) حملہ آور ہو کر انہیں قتل کر دے۔ اس ''اجتماعی جرم'' کے ناپاک منصوبے کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو بھجوائی اور آپ ﷺ کو بھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ ہجرت فرما جانے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ رات ہوتے ہی اِدھر نبی ﷺ کے دولت کدے کا محاصرہ کر لیا گیا اور اُدھر اسی دولت کدے کے اندر مکمل اطمینان کے ساتھ نبی اکرم ﷺ تسلی دیتے ہوئے سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو فرمارہے تھے کہ تمہیں ہر گز کوئی گزند نہیں پہنچے گی، تم میرے بستر پر سو جاؤ، میرے پاس لوگوں کی امانتیں جمع ہیں انہیں ان کے مالکوں تک صبح پہنچا دینا۔

اس کے بعد آپ ﷺ بلاخوف وخطر، بغیر کسی ڈر، خوف اور ہچکچاٹ کے، گھر سے باہر تشریف لائے، اللہ کے حکم سے تھوڑی سی مٹی اپنے ہاتھ میں لی، جسے محاصرین کے سروں پر پھینکتے ہوئے اور سورۂ یٰسین کی آیات {فَاَغْشَیْنٰهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ} تک تلاوت فرماتے ہوئے، ان کے سامنے سے پورے اطمینان کے ساتھ گزر گئے اور کسی کو پتا بھی نہ چلا۔ نبی اکرم ﷺ نے سیدنا ابو بکر صدیقؓ کو ساتھ لیا اور غارِ ثور کی طرف سفر شروع فرمایا۔ راستے میں محب صادقؓ کبھی محبوب ﷺ کے آگے چلنے لگتے، کبھی پیچھے چلنے لگتے، یہاں تک کہ معراج کے مسافر ﷺ نے اس کو محسوس کرتے ہوئے دریافت فرمایا تو صدیق اکبرؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! مجھے تعاقب کرنے والوں کا خیال آتا ہے تو میں پیچھے چلنے لگتا ہوں، پھر گھات لگانے والوں کا خطرہ محسوس ہوتا ہے تو آگے

آجاتا ہوں۔ (البدایہ والنہایہ)

قربان جاؤں صدیق! تیری شجاعت کی صداقت پر، عشق کی اس انتہا پر میں سو سو جانوں سے فِدا۔ دینِ ابراہیمی کے اس پیروکار نے ابراہیم علیہ السلام کی یاد تازہ کر دی، اقبال کے لفظوں میں۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

وفا ہے میرا مسلک، دوستی میرا عقیدہ ہے
جہاں خنجر نہ پاؤ تم، وہ میری آستین ہو گی

شریعت کا سبق ان عاشقوں کو مت پڑھا زاہد
جُنوں والے خِرَد کے خاک بہکانے میں آئے ہیں

جب دونوں حضرات غار کے اندر حفاظت کے مادی اسباب استعمال کر کے داخل ہو چکے تو قدرت کا غیبی نظام حرکت میں آیا۔ اللہ کے حکم سے ایک مکڑی نے آکر غار کے منہ پر ایک جالا بُن دیا اور (حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے منسوب روایت کے مطابق) غار کے منہ پر ایک درخت بھی اُگ آیا، جس پر کبوتری نے گھونسلا بنا کر انڈے بھی دے دیے۔ جس کی وجہ سے یوں محسوس ہوتا تھا کہ یہ غار تو عرصے سے بند پڑا ہے، یہاں تو سالہا سال سے کوئی اندر داخل ہی نہیں ہوا۔

یہاں مکہ مکرمہ کے منصوبہ سازوں کی جب کھلی اور آنکھوں اپنے منصوبے کو ناکام ہوتے دیکھا تو انہوں نے دیوانہ وار آپ ﷺ اور صدیق اکبرؓ کی بپھرے

ہوئے درندوں کے انداز میں تلاش شروع کر دی، یہاں تک کہ وہ غار کے منہ پر پہنچ گئے۔ یہ وہ نازک، ناموافق، ناسازگار، اندوہناک، غمناک، پریشان کن، اعصاب شکن، صبر آزما، دل آزار، دردانگیز، روح فرسا، خوفناک و خطرناک گھڑی تھی کہ انسانیت سانس لینا ہی بھول گئی تھی، اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، وہ دم بخود چپ چاپ ساکت و صامت کھڑی کھڑی گویا عالم نزع میں چلی گئی تھی جو مایوسی کا نقطۂ انجماد تھا کہ اب کیا ہوگا؟ غار کے منہ پر کھڑے دشمنوں کو غار کے اندر بیٹھے ہوئے لوگ دیکھ رہے تھے اور اگر غار کے منہ پر کھڑے لوگ تھوڑا سا جھکنے کی زحمت کر لیتے تو اپنے مطلوبہ لوگوں کو پالیتے۔ غار میں جھانکنے کے بجائے، وہ اس بحث میں اُلجھ گئے کہ کسی کے اندر جانے سے جالا کیسے باقی نہ رہتا، نیز کبوتری ایسی آباد جگہ پر انڈے نہیں دیا کرتی۔ یوں وہ نامراد، بے نیل و مرام، اپنا مقصد حاصل کیے بغیر واپس لوٹ گئے اور دوبارہ اس مقام پر لوٹ کے بھی نہ آسکے۔

سیدنا صدیق اکبرؓ اپنی اس بے قراری کو جو نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس کے بارے میں تھی، چھپا نہ سکے او راپنے محبوب ﷺ سے عرض کیا کہ ان دشمنوں میں سے کسی نے ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو ہمیں دیکھ لے گا۔ اس پر رحمتِ عالم ﷺ نے طمانیت بھرا جواب عنایت فرمایا: ''**مَاظَنُّكَ بِاثْنَيْنِ اَللّٰهُ ثَالِثُهُمَا**'' (صحیح بخاری)

ترجمہ: ان دو کے بارے میں تمہارا کیا گمان ہے جن کا تیسرا اللہ ہے۔ (لہٰذا غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔)

اسی واقعے کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں قیامت تک یوں محفوظ فرمایا:

{ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا}

(سورۃ توبہ آیت 40)

ترجمہ: ''(اس وقت) دو ہی شخص تھے جن میں (ایک ابو بکرؓ تھے) دوسرے خود رسول اللہ ﷺ) جب وہ دونوں غار (ثور) میں تھے، اس وقت نبی اکرم ﷺ اپنے صحابی (ابو بکرؓ) کو تسلی دیتے تھے کہ غم نہ کر بلاشبہ اللہ (تعالیٰ) ہمارے ساتھ ہے۔''

چنانچہ توکلًا علی اللہ مکہ مکرمہ سے نکلنے والے ان دو مہاجروں نے ہجرت کی دشوار گزار، کٹھن، اجنبی سڑک پر مدینہ منورہ کی طرف اپنے سفر کا آغاز فرمایا۔

اُدھر دشمنانِ اللہ و رسول کو ان کی دو مرتبہ کی اوپر تلے ناکامیوں (پہلی مرتبہ بستر پر نہ پانے اور دوسری مرتبہ غار ثور میں نہ دیکھنے) نے جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر دیا تھا، چنانچہ انہوں نے اپنی شرمندگی مٹانے کے لیے یہ اعلان کر دیا کہ جو شخص رسول اللہ (ﷺ) کو گرفتار کر کے لائے گا اس کو سو اونٹنیاں انعام میں دی جائیں گی۔

سراقہ ابن مالک بن جعشم کو انعام کے لالچ سے برانگیختگی ملی، لہٰذا اس نے گھوڑے پر سوار ہو کر تعاقب کیا، قریب بھی پہنچ گیا لیکن یہاں بھی قدرت کا حفاظتی نظام اس کے آڑے آیا کہ اس کا گھوڑا بار بار ٹھوکر کھاتا رہا، بالآخر اس کے اگلے دونوں پاؤں زمین میں دھنس گئے جس کی وجہ سے سراقہ زمین پر آ رہا اور اس کی ہمت و حوصلے کو ماند کر دینے والی بات اس کے ذہن میں بٹھا دی گئی

کہ محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ کی حمایت میں ہیں، لہٰذا ہر صورت وہی غالب رہیں گے۔ چنانچہ اس نے عافیت اسی میں سمجھی کہ انعام کے لالچ کو پس پشت ڈالتے ہوئے اپنی شکست تسلیم کرلی جائے۔ اس نے زور سے پکارا: ''میں سراقہ بن جعشم ہوں، مجھ سے بے فکر ہو جائیں۔'' اس موقع پر سراقہ نے آپ ﷺ کو زادراہ اور دیگر ضروری سامان کی پیشکش کی، جسے نبی اکرم ﷺ نے قبول نہیں فرمایا، بس اتنا فرمایا کہ ہماری اطلاع کسی کو نہ دینا۔ **(بخاری شریف)**

ساتھ ہی فرمایا: ''سراقہ! اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا، جب کسریٰ کے کنگن تم اپنے ہاتھ میں پہنو گے؟''

یہ پیشین گوئی حرف بحرف ثابت ہوئی جب سیدنا عمر بن الخطابؓ کے سامنے ان کے دور خلافت میں کسریٰ کے کنگن اور تاج حاضر کیا گیا تو انہوں نے سراقہ کو بلایا اور پہنایا **(الاستیعاب)**

سراقہ سے نمٹنے کے بعد سفر جاری رہا۔ راستے میں ام معبد الخزاعیہ نامی ایک تنگ دست عورت کے پاس سے گزر ہوا جس کے پاس اپنی بکری کی خوراک کے لیے بھی چارے کی کمی تھی، جس کی وجہ سے بکری کے تھن تک خشک ہو چکے تھے۔ ام معبد کے آشیانے پر نبی اکرم ﷺ اپنے ساتھیوں سمیت تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ کا اوہاں تشریف لے جانا تھا کہ خستہ حالی کے بادل چھٹنے لگے۔ آپ ﷺ نے ام معبد کی اجازت سے اللہ کا نام لے کر دعا مانگ کر بکری کے خشک ہو جانے والے تھنوں پر ہاتھ پھیرے تو اللہ تعالیٰ نے بڑی تیزی کے ساتھ راحت بخش، مفید و طاقتور دودھ جاری فرما دیا۔ محسن و

مخدوم کائنات ﷺ نے پہلے پینے کے لیے ام معبد کو، پھر اپنے ساتھیوں کو عنایت فرمایا، جب سب خوب سیراب ہو کر تروتازہ ہوگئے تو آپ ﷺ نے سب سے اخیر میں نوش فرمایا۔ دوبارہ تھنوں پر ہاتھ پھیرا تو برتن لبالب بھر گیا۔ (زادالمعاد)

آپ کا یہ سفر ہجرت جاری رہا یہاں تک کہ مدینہ منورہ کی مضافاتی بستی قباتک پہنچ گئے۔ یہ واقعہ 12 ربیع الاوّل، پیر کو پہنچے۔

ہجرت کے واقعے سے حاصل شدہ نکات:

۱... موت کے نقشوں میں زندگی بخشنے والی ذات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔

۲... ہر صاحب ایمان کی اس کی ایمانی استطاعت کے مطابق آزمائش ہوتی ہے۔

۳... اللہ تعالیٰ آزمائش کرتے ضرور ہیں، لیکن ثابت قدم رہنے والے کو ضائع نہیں ہونے دیتے۔

۴... صاحب ایمان آزمائش میں بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع رکھتا ہے اس میں کمی نہیں آنے دیتا۔

۵... ثابت قدم رہنے والے کے لیے ہر تنگی میں سے غیبی طور پر امداد کے ذریعے راستہ نکال کر دیا جاتا ہے۔

۶... تنگی اور پریشانی صاحب ایمان کے لیے طویل ہوسکتی ہے، دائمی نہیں ہوتی۔

۷... تنگی اور پریشانی میں بظاہر دکھی نظر آنے والا صاحب ایمان دلی طور پر

باعتبارِ انجام مطمئن ہوتا ہے۔

۸... تکالیف (آزمائش) تبلیغ کے میدان کا لازمی جزاور صبر واستقامت مبلغ کا لازمی شیوہ ہوتا ہے۔

۹... صاحب ایمان و مبلغ تکلیف پہنچانے والوں کے لیے بھی ہمدردی کے جذبات کا اظہار کرتا ہے۔

۱۰... آزمائشوں کا دور ختم ہو جانے کے بعد بھی، بارگاہِ الٰہی میں رجوع کا سلسلہ جاری رکھنا چاہیے۔

عشرۂ فاروق و حسین رضی اللہ عنہما:

ایک عرصے سے محرم الحرام کے ابتدائی دس دنوں کو اہل سنت والجماعت کی طرف سے ''عشرہ فاروقؓ و حسینؓ'' کے نام سے منایا جاتا ہے۔ یہ اتحاد واتفاق کا پیغام ہے اور اس بات کا عملی اظہار کہ نبی اکرم ﷺ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے داماد خلیفہ ثانی حضرات حسنین رضی اللہ عنھما کے بہنوی شہید منبر و محراب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی ایمان کا حصہ ہیں اور نبی اکرم ﷺ کے نواسے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے صاحب زادے شہید کربلا حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی ایمان کا حصہ ہیں۔ ایک مسلمان کی شان یہی ہے کہ وہ ان دونوں قدسی صفات ہستیوں سے سچی محبت رکھے، ان کے ایمان کا معترف ہو، ان کی قربانیوں کا ادراک رکھے، شجر اسلام کی آبیاری کے لیے ان حضرات کے جہادی معرکوں کو یاد رکھے، ان حضرات کے علمی مقام کا اقرار کرے، ان کے تفقہ فی الدین، انابت ورجوع الی اللہ، تقویٰ وللّٰہیت اور

نبی اکرم ﷺ کے ان کے متعلق فرامین کو دل وجان سے تسلیم کرے۔ایک مسلمان کی یہ شان نہیں ہوسکتی کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے سسر سے تو بُغض رکھے اور آپ ﷺ کے نواسے سے محبت کا دعویٰ کرے، حضرات علی کرم اللہ وجہہ کے داماد سے تو نفرت کرے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے صاحب زادے سے محبت کا دم بھرے۔جس کے دل میں ایمان ہوگا وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے بھی محبت کرے گا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بہنوئی اور امام حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بھی محبت کرے گا۔جس کا ایمان سلامت ہوگا اس کے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تو محبت کا دعویٰ کرے اور جس امیر المؤمنین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مشیر اعلیٰ ونائب وزیراعظم بنایا اُس امیر المؤمنین سے نفرت وعداوت رکھے۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ،جو حضرت علی، حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے امام، مقتدا و پیشوا ہیں ،جو حضرت علی و حضرات حسین رضی اللہ عنہم کو اپنا مقتدا و پیشوا اور امام سمجھتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اُن کے مقتدا و پیشوا اور امام کو بھی اپنا مقتدا و پیشوا اور امام سمجھے۔

بدقسمتی سے کچھ غیر مستند تاریخی روایات وخرافات کے ذریعے بعض لوگوں کو یہ مغالطہ دیا گیا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت علی اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے آپس میں محبت نہیں عداوت تھی۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کی لاڈلی بیٹی حضرت فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا کو اذیت دی تھی۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے

(نعوذ باللہ) جان کے خوف سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اُن کو اپنا امام، مقتدا و پیشوا مانا تھا، ورنہ وہ دل سے اُن کو اپنا امام، مقتدا و پیشوا نہیں مانتے تھے۔

یہ تاریخی روایات آج کی نہیں، تقریباً تیسری صدی ہجری سے اِن کا سلسلہ شروع ہوا، مگر اس سے وہی لوگ ٹھوکر کھاگئے جنھوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو تاریخ کے آئینے میں پرکھا، حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تاریخی نہیں، قرآنی شخصیات ہیں، اُن کا تزکیہ قرآن کریم نے کیا ہے، اُن کے ایمان کا امتحان اللہ تعالیٰ نے لیا اور اُنھیں اس امتحان میں سو فیصد نمبرات کے ساتھ پاس ہی نہیں کیا، بلکہ اپنی ابدی کتاب قرآن کریم میں اس کامیابی کا واشگاف اعلان بھی فرمایا۔ اہل سنت والجماعت کا طرہ امتیاز یہی ہے کہ وہ فرقِ مراتب کے قائل ہیں۔ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تاریخی شخصیات نہیں، قرآنی شخصیات سمجھتے ہیں، سو اُنھیں یہ تاریخی روایات وخرافات کسی دھوکے میں نہ ڈال سکیں۔ اُن کے دل میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی محبت میں رتی برابر کمی آسکی اور نہ ہی حضرت علی، حضرات حسنین رضی اللہ عنہم کی محبت میں ذرہ برابر کمی واقع ہوئی۔

ان تاریخی روایات کی وجہ سے امت میں اختلاف وانتشار آئے روز بڑھتا رہا، جس نے افتراق کے ساتھ ساتھ قتل وغارت تک کی صورت اختیار کی۔ ان روایات پر اندھا ایمان رکھنے والوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی گستاخی وتوہین تک سے دریغ نہ کیا۔ سمجھا جانے لگا کہ حضرت علی، حضرات

حسنین رضی اللہ عنہم کی مدح وتوصیف کا حق اس وقت تک ادا ہو ہی نہیں سکتا، جب تک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شانِ رفیع میں گستاخی وتوہین کا ارتکاب نہ کیا جائے۔ عوام تو کالانعام ہوتے ہیں، وہ مذہب کا لبادہ اوڑھے ہوئے کسی بھی بازی گر سے متاثر ہو جاتے ہیں، کیونکہ خود اُن کی کوئی تحقیق نہیں ہوتی، یہی المیہ مسلم ممالک بالخصوص ارضِ پاک کا بھی رہا۔ بدقسمتی سے محرام الحرام میں ایسے واقعات تواتر سے ہونے لگے جن میں اہلِ بیتؓ کی محبت کی آڑ میں حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت معاویہ، حضرت ابوسفیان، حضرت خالد بن ولید، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، ام المؤمنین حضرت عائشہ وحفصہ رضی اللہ عنھن وعنہم اجمعین کی گستاخیاں معمول کا حصہ بن گئیں۔

اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے اہل سنت مکاتب فکر کے عمائے کرام نے ایک بار پھر پہل کی اور اتحاد واتفاق اور محبت ویگانگت کو فروغ دینے کے لیے محرم الحرام کے ابتدائی دس دنوں کو ''عشرہ فاروقؓ وحسینؓ'' کے نام سے منانے کا اعلان کیا، کیونکہ محرم الحرام کی پہلی تاریخ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خون سے رنگین ہے تو دسویں تاریخ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے خانوادے کے خون سے رنگین ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ دوسرا فریق بھی عشرہ محرم کو ''عشرہ فاروقؓ وحسینؓ'' کے نام سے منانے کا اعلان کرے۔ حکومت پر اس سلسلے میں سب سے بڑی ذمے داری عائد ہوتی ہے، اگر وہ عاشورا محرم کو ''عشرہ فاروقؓ

وحسینؓ'' کے نام سے منانے کا اعلان کرے اور تمام مکاتب فکر کو اس کا پابند کرے تو نفرتوں کے سوداگروں کی دکانیں خود بخود بند ہوجائیں گی، عداوتوں کے پرچارک خود ہی اتحاد واتفاق کی بات کرنے لگیں گے اور ہر طرف نبی اکرم ﷺ کے معتمد خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بھی عظمت کے ترانے گونجیں گے اور نبی اکرم ﷺ کے نواسے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی عظمت کے بھی پرچم لہرائیں گے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ سال بھر محرم الحرام میں امن کے قیام کے لیے پریشان رہنے والی ہماری حکومتیں اس اقدام کو قانونی وآئینی شکل دیں۔ اگر ایسا ہوا تو یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ نہ تو خطبا کی ضلع بدی کی ضرورت پڑے گی، نہ ہر سال نیا ضابطہ امن تشکیل دینے کی ضرورت ہوگی اور نہ ہی قیام امن کے لیے فورسز کو گلی گلی، محلے محلے میں تعینات کرنے کی ضرورت پڑے گی۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی طبقہ، فریق یا خطیب اس ضابطہ اخلاق کی پابندی نہ کرے تو اسے کیفر کردار تک پہنچایا جائے کہ اُس کی سرشت میں نفرت وعداوت اور فتنہ وفساد ہے اور ارضِ پاک کسی فسادی وفتنے باز کو یہ اجازت نہیں دی جاسکتی کہ اپنے شیطانی وابلیسی جذبات کی تسکین کے لیے ملک کے امن کو آگ لگادے۔

تنبیہ: ''صحابہ'' صحابی کی جمع ہے، صحابی اس شخص کو کہتے ہیں جس نے ایمان کی حالت میں نبی اکرم ﷺ کی دنیوی زندگی میں ان کی زیارت کی ہو اور ایمان کی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہوا ہو۔ چاہے اُس کا تعلق آپ ﷺ کے خاندان کے افراد یعنی اہلِ بیت سے ہو یا نہ ہو، چاہے اُس کا تعلق قریش سے

ہو یا نہ ہو، چاہے اُس کا تعلق اہلِ عرب سے ہو یا نہ ہو اور چاہے وہ مرد ہو یا عورت، سب پر بلا تفریق صحابیؓ کا اطلاق ہوتا ہے اور اِن میں سے ہر ایک سے عقیدت و محبت رکھنا مسلمان ہونے اور مسلمان رہنے کے لیے ضروری ہے۔ یہ پوری کی پوری جماعت قرآنی شخصیات کے طور پر متعارف کرائی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا ہے کہ اِن کے درمیان کوئی لڑائی، جھگڑا، بغض، عداوت، نفرت اور دُشمنی نہیں ہے، یہ سب ایک دوسرے کے لیے بھائیوں کی طرح رحم دل ہیں۔ قرآن نے جابجا دوٹوک و بے غبار انداز اختیار کرتے ہوئے ان کی تعریف، مدح، توصیف فرمائی اور تمام امت کے لیے صحابہ کرامؓ کو نمونۂ عمل قرار دیا ہے۔ قرآن کی ہر ہر بات حق، سچ اور اٹل ہے۔ ان کے بارے میں تاریخ سے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے اس پر جمے رہنا اور اپنی رائے کو قرآن کی حتمی، قطعی اور یقینی تعبیر پر ترجیح دینا قرآن سے بغض رکھتے ہوئے قرآن کی حقانیت کو مشکوک بنادیے جانے کے مترادف ہے۔

مرادِ رسول ﷺ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ:

ولادت: آپ کی پیدائش نبی کریم ﷺ کی ولادت مبارکہ کے تیرہ سال بعد مکہ مکرمہ ہوئی۔ آپ کا نام عمر، والد کا نام خطاب، لقب فاروق اور کنیت ابو حفص ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب یوں ہے: عمر بن خطاب بن نفیل بن عبد العزیٰ بن رباح بن عبد اللہ بن قرط بن زراع بن عدی بن کعب بن لوی بن فہر بن مالک (مستدرک حاکم)

جناب عدی کے ایک بھائی کا نام مرہ تھا، جو حضور اکرم ﷺ کے اجداد

میں سے ہیں، اس لحاظ سے حضرت عمرؓ کا سلسلہ نسب آٹھویں پشت میں حضور اکرم ﷺ سے جا ملتا ہے۔ آپ کو حضور اکرم ﷺ کی طرف سے "فاروق" کا لقب عطا کیا گیا ہے۔ وجہ اس کی یہ بنی کہ حضرت عمرؓ نے مکہ میں اسلام قبول فرمایا اور اس کے بعد اپنے مشرک ماموں عاص بن وائل کی پناہ میں آنے سے انکار کر دیا اور مسلمانوں کے ساتھ علانیہ بیت اللہ میں نماز ادا کی۔ اس کے صلے میں دربارِ نبوت سے فاروق کا لقب ملا۔ جس کے معنی ہیں حق اور باطل میں فرق کرنے والا۔ **(تاریخ اسلام، الفاروق، خلفائے راشدین)**

عرب میں پڑھنے لکھنے کا رواج نہیں تھا، لیکن آپ ان 17 افراد میں شامل تھے، جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے، لہٰذا اللہ کے رسول ﷺ نے آپ کو کاتبِ وحی جیسا عظیم منصب عطا فرمایا۔ حضرت عمر فاروقؓ ابتدائی دِنوں کے کاتبینِ وحی میں سے ایک تھے اور انھوں نے ہی سیدنا ابو بکر صدیقؓ کو بااصرار کلامِ پاک کی تدوین پر آمادہ کیا تھا۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا شمار عشرہ مبشرہ یعنی ان صحابہ کرامؓ میں بھی ہوتا ہے، جن کے جنتی ہونے کی ایک ہی مجلس میں نبی اکرم ﷺ نے بشارت دی، نیز معراج کے موقع پر نبی اکرم ﷺ نے جنت میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا محل بھی دیکھا تھا۔ امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس امت میں سب سے افضل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد سب سے افضل حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں۔

حضرت عمر فاروق بہترین انتظامی صلاحیتوں، اعلیٰ اوصاف، دبنگ اور بارعب شخصیت کے مالک تھے۔ ظہورِ اسلام کے وقت، اسلام اور مسلمانوں کے

سخت دشمن تھے، لیکن جب اسلام قبول کر لیا، تو پھر اپنا تن، من، دھن سب اسلام کے لیے وقف کر دیا۔ سخت مزاجی کے باوجود، عاجزی، انکساری، تواضع اور عدل، مزاج کا حصہ تھے۔ خلافت کا بوجھ کندھوں پر آیا، تو گریہ اور رِقت میں اضافہ ہو گیا۔ شب کی تنہائیوں میں رب کے حضور آنسو بہانا اور گڑگڑانا ان کا معمول تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے رب نے تین مواقع پر میری رائے سے اتفاق کیا۔

(1) میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ! کاش ہم مقامِ ابراہیم کو نماز کی جگہ بناتے، جس کے بعد اللہ نے سورہ بقرہ میں فرما دیا اور مقامِ ابراہیم کو نماز کی جگہ بنالو۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے ایک مرتبہ اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ کاش ! اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقام ابراہیم پر نماز پڑھنے کا حکم آجائے، حضرت عمر فاروقؓ خود کہتے ہیں کہ جب میرا گزر مقام ابراہیم پر ہوا تو میں نے حضور اکرم ﷺ سے کہا کہ کیا ہم حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کے کھڑے ہونے کی جگہ کے پیچھے نماز پڑھیں؟ ابھی اس بات پر تھوڑا سا وقت بھی نہ گزرا تھا کہ یہ آیت اتری۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس خواہش کو پورا فرمایا: وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى (سورۃ البقرہ، آیت 125)

ترجمہ: اور بناؤ ابراہیم (علیہ السلام) کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کی جگہ۔

(2) میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ! ازواج مطہرات کو پردے کا حکم

دیجیے۔ تو اللہ نے سورۂ احزاب میں فرما دیا: یایھا النبی۔۔۔ غفورا رحیما (سورۂ احزاب، آیت: 59)

ترجمہ: اے نبی! ﷺ اپنی بیویوں اور اپنی صاحبزادیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے فرمادیں کہ اپنی چادروں کا ایک حصہ اپنے اوپر ڈالے رکھیں، یہ اس سے زیادہ نزدیک ہے کہ وہ پہچانی جائیں تو انہیں ستایا نہ جائے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(3) غزوۂ بدر کے قیدیوں کے بارے میں میری رائے تھی کہ انہیں قتل کر دیا جائے (فدیہ نہ لیا جائے) اللہ تعالیٰ نے سورۂ انفال میں میری رائے کی تائید کر دی، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ما کان لِنبِی ان یکون له۔۔۔ و اللہ عزِیز حکِیم (سورۃ الانفال، آیت 59)

ترجمہ: کسی نبی کو لائق نہیں کہ کافروں کو زندہ قید کرے جب تک زمین میں ان کا خون خوب نہ بہائے۔ تم لوگ دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔ (بخاری، مسلم)

اس روایت میں تین کا ذکر ہے، جس سے بقیہ کی نفی نہیں ہوتی، اسی تناظر میں حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ تقریباً بیس بائیس مقامات ایسے ہیں، جہاں فاروق اعظمؓ کی رائے پروردگار کی منشا کے عین موافق تھی۔

ایک صبح نمازِ فجر کے بعد حضور ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ ہجرت کا حکم دیا۔ عام خیال تھا کہ وہ بھی دوسرے لوگوں کی طرح رات

کی تاریکی میں خفیہ طور پر مدینہ ہجرت کر جائیں گے، لیکن حضرت علی فرماتے ہیں کہ حکم ملتے ہی عمر گھر گئے، جسم پر ہتھیار سجائے، ہاتھ میں ننگی تلوار پکڑی اور تنِ تنہا خانہ کعبہ میں تشریف لائے۔ اس وقت مشرکین کے سردار اپنے قبیلے کے لوگوں کے ساتھ موجود تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اطمینان کے ساتھ بیت اللہ کا سات بار طواف کیا۔ مقامِ ابراہیم پر دو رکعت نفل ادا کیے۔ پھر ہاتھ میں تلوار پکڑ کر سردارانِ قریش کی مجلس میں تشریف لائے اور نہایت بارعب اور بلند آواز میں کہا:

اے دشمنانِ اسلام! تمہارے چہرے سیاہ ہو جائیں۔ اللہ تمہاری ناک خاک آلود کر دے۔ جان لو! عمرؓ مکے سے مدینہ ہجرت کر رہا ہے۔ تم میں سے جو شخص اپنی جان کا دشمن ہو، ماں کو روتا، بیوی کو بیوہ اور بچوں کو یتیم چھوڑے، وہ حرم سے باہر مجھ سے نبرد آزما ہو جائے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں: عمرؓ کے رعب و دبدبے اور ہیبت کا یہ عالم تھا کہ کسی میں اپنی جگہ سے ہلنے اور انھیں روکنے کی ہمت نہ تھی۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شرکت کی اور بہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ دشمن بھی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکا۔ غزوۂ بدر میں اپنے سگے ماموں سمیت دیگر عزیز و اقارب کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر کے دنیا بھر کو یہ پیغام دیا کہ اصل رشتہ، دین کا رشتہ ہے۔

احادیثِ طیبہ اور آثارِ صحابہؓ میں امیر المؤمنین خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان ہوئے ہیں، ذیل میں چند احادیث کو نقل کیا

جاتا ہے:

۱۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بلا شبہ تم سے پہلے بنی اسرائیل میں ایسے لوگ بھی ہوتے تھے جنہوں نے خدا سے صرف ہم کلامی کا شرف پایا لیکن وہ نبی نہ ہوئے (ان کو محدث کہتے ہیں) میری امت میں اگر کوئی ایسا ہوتا تو وہ عمرؓ ہوتے۔ **(صحیح بخاری)**

۲۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر میرے بعد کوئی نبوت کا مقام پا سکتا تو وہ حضرت عمرؓ ہوتے۔ **(مستدرک حاکم)**

۳۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ عمرؓ کی زبان پر حق کو رکھ دیا ہے، وہ حق بات ہی کہتے ہیں۔ **(مشکوٰۃ)**

۴۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جن وانس کے شیاطین، عمرؓ کو دیکھ کر راستہ بدل لیتے ہیں اور ڈر کر بھاگ جاتے ہیں۔ **(ترمذی)**

۵۔ حضرت فضلؓ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا؛ عمرؓ میرے ساتھ ہیں اور میں عمرؓ کے ساتھ ہوں اور حق عمرؓ کے ساتھ ہو گا جہاں کہیں بھی ہو۔ **(معجم طبرانی)**

۶۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اُن دس صحابہ کرامؓ میں سے ہیں، جن کا جنتی ہونا حضور اکرم ﷺ نے بتایا ہے۔ آپؓ، حضرت عمرؓ کے بارے میں کہتے ہیں: خدا کی قسم! حضرت عمرؓ اسلام لانے میں گو ہم سے پہلے نہیں اور نہ ہی ہجرت کرنے میں ہم پر مقدم ہیں، مگر میں خوب جانتا ہوں کہ کس چیز

کے سبب وہ ہم سے افضل ہیں؟ وہ ہم سے آگے اس لیے بڑھ گئے کہ وہ سب سے زیادہ دنیا سے بے تعلق تھے۔ (ازالۃ الخفاء)

۷۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ بھی رسول اللہ اکرم ﷺ کے صحابیؓ ہیں، حضور اکرم ﷺ کی احادیث لکھنے کی سب سے زیادہ سعادت آپؓ کو نصیب ہوئی۔ آپ حضرت عمرؓ کے بارے میں فرماتے ہیں: حضرت عمرؓ بہت بڑے آدمی تھے۔ میں نے حضور اکرم ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بعد حضرت عمرؓ سے زیادہ خوف خدا رکھنے والا کسی کو نہیں پایا۔ (کنزالعمال)

خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جب محسوس کیا کہ اب آپؓ کا سفر آخرت قریب ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ اُن کے بعد خلافت کا معاملہ اختلاف کی نذر ہو جائے اور حضور اکرم ﷺ کی امت کسی آزمائش میں مبتلا ہو جائے، لہٰذا خود ہی خلیفہ مقرر کر دیا جائے۔ چونکہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے نزدیک حضرت عمرؓ کے مقابلے میں کوئی دوسرا شخص اس منصب کے لئے بہتر نہ تھا، چنانچہ آپؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو، جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، بلا کر اس بارے میں، مشورہ چاہا۔ آپ نے فرمایا: جس قدر اُن کے بارے میں، آپ کا حسن ظن ہے، وہ اس سے بھی بڑھ کر ہیں، البتہ ان کے مزاج میں ذرا سختی ہے۔ اس کے جواب میں حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا: یہ سختی اس لیے ہے کہ مجھ کو نرم دیکھتے ہیں۔ مطلب یہ کہ جب ساری ذمے داری ان کے کندھوں پر آجائے گی تو نرم پڑ جائیں گے۔ پھر آپؓ نے حضرت عثمان غنیؓ سے، وہ بھی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، اس بارے میں مشورہ کیا تو انہوں نے فرمایا: عمرؓ کا

باطن، عمرؓ کے ظاہر سے بھی زیادہ اچھا ہے اور اب ہم میں ان کی مثل کوئی نہیں ہے۔ چنانچہ بہر حال حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنی علالت کے دوران ہی حضرت عمر فاروقؓ کو خلیفہ مقرر کر دیا اور حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے عہد نامۂ خلافت لکھوایا جو مجمع عام میں پڑھا گیا۔

(تاریخ طبری، طبقات، ازالۃ الخفاء)

خلیفہ بننے کے بعد راتوں کو اٹھ کر رعایا کی خبر گیری کرتے، ان کی خدمت کرتے اور انہیں پتا بھی نہ چلتا کہ جو شخص رحمت کا فرشتہ بن کر رات کی تاریکیوں میں ان کے دکھوں کا مداوا کر رہا ہے، وہ کوئی اور نہیں، خود امیر المومنین، عمر بن خطاب ہیں۔آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر دریائے فرات کے کنارے ایک کتا یا بکری کا بچہ بھی بھوکا مر گیا، تو روزِ قیامت، عمر سے جواب طلب ہو گا۔ اپنے دورِ خلافت میں عدل و انصاف کا ایسا نظام قائم کیا کہ شیر اور بکری ایک ہی گھاٹ پانی پینے لگے۔ زبان و بیان کی آزادی اور بے خوفی کا یہ عالم تھا کہ ایک بدو بھی بھری مجلس میں اٹھ کر سوال کر دیتا کہ امیر المومنین !آپ جو کرتا پہنے ہوئے ہیں، اس کے لیے کپڑا کہاں سے آیا، اور عظیم الشان مملکتِ اسلامیہ کا سربراہ، اس بدو کو مطمئن کرنے کا پابند تھا۔آپ نے دنیا کو عدل سے بھر دیا۔ اس لیے پوری دنیا میں عدلِ فاروقی ہمیشہ کے لیے ضرب المثل بن گیا۔ حضرت فاروقِ اعظم کے دورِ خلافت میں بائیس لاکھ، اکیاون ہزار، تیس مربع میل رقبے پر اسلامی پرچم لہرایا گیا۔ خلافتِ اسلامیہ کی حدود، جزائرِ عرب سے باہر مصر، طرابلس سے مکران اور بلوچستان کے ساحلوں تک پھیل گئی

تھیں۔ ایران اور روم کی نا قابلِ تسخیر سلطنتوں کا غرور و تکبر خاک میں مل چکا تھا۔ حضور ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق، خسرو پرویز کی سلطنت کے پرخچے اڑ گئے اور حضرت سراقہ بن مالک کو کسریٰ کے کنگن پہنائے گئے۔ تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ سیدنا عمرؓ کے دورِ خلافت میں جتنا رقبہ فتح کیا گیا، اتنا آج تک کسی عہدِ حکومت میں فتح نہیں ہوا۔ ایک یورپی مؤرخ نے لکھا ہے کہ اگر عمرؓ کچھ عرصہ مزید زندہ رہ جاتے، تو دنیا کا دو تہائی حصہ مسلمانوں کے زیرِ نگیں ہوتا۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں عوامی فلاح و بہبود کے لیے مختلف شعبوں میں اصلاحات کیں اور کئی نئے ادارے بھی قائم کیے۔ آپؓ کو بلاشبہ پہلی ویلفیئر اسٹیٹ کا بانی کہا جاسکتا ہے۔ ''اولیاتِ فاروقی'' میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱۔ آپ نے امیر المؤمنین کا لقب اختیار کیا۔
۲۔ مجلسِ شوریٰ کا قیام عمل میں لائے۔
۳۔ تاریخ اور سن ہجری جاری کیا۔
۴۔ سِکوں کا اجرا کیا۔
۵۔ بیت المال یعنی محکمۂ خزانہ قائم کیا۔
۶۔ باقاعدہ عدالتیں بنائیں اور قاضی مقرر کیے۔
۷۔ پولیس کا محکمہ قائم کیا، جیل خانے بنوائے۔
۸۔ فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔
۹۔ پیمائش کا طریقہ روشناس کروایا۔

۱۰۔ مردم شماری کا نظام بھی آپ ہی کا وضع کردہ ہے۔
۱۱۔ کوفہ، بصرہ اور موصل جیسے خوب صورت شہر بسائے۔
۱۲۔ بیوائوں، یتیموں، مساکین اور بچوں کے لیے وظیفے مقرر کیے۔ مفلوک الحال غیر مسلموں تک کے لیے وظائف مقرر کیے۔
۱۳۔ آپ نے زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کا ایسا مربوط نظام قائم کیا کہ ان کے دور میں زکوٰۃ دینے والے تو بہت تھے، لیکن لینے والا کوئی نہ تھا۔
۱۴۔ عدل و انصاف کا ایسا نظام وضع کیا جو پوری دنیا میں عدلِ فاروقی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔
۱۵۔ اشاعتِ دین اور تبلیغِ اسلام کے کام کو پوری دنیا میں پھیلایا، اس مقصد کے لیے مکاتب و مدارس قائم کیے اور اساتذہ کے لیے مشاہرے مقرر کیے گئے۔
۱۶۔ آپ ہی کے دور میں ائمہ مساجد اور مؤذنین کی تنخواہیں مقرر کی گئیں۔
۱۷۔ مساجد میں روشنی کا انتظام کیا اور مساجد میں وعظ کا طریقہ طے کیا۔
۱۸۔ مسجدِ حرام اور مسجدِ نبویؐ کی توسیع کروائی، مقامِ ابراہیم کی موجودہ جگہ پر منتقلی آپ کے حکم سے ہوئی، اس سے پہلے یہ کعبہ شریف سے متصل تھا۔
۱۹۔ آب رسانی کے نظام کو بہتر کیا۔ نہریں کھدوائیں، مکہ سے مدینہ تک مسافروں کے آرام کے لیے چوکیاں، سرائے اور مسافر خانے بنوائے، راستوں کو کشادہ اور پکا کیا۔ مفتوحہ ممالک میں صوبے بنائے۔ ریاستی نظام کو مضبوط کیا۔

۲۰۔سزا اور جزا کے نظام میں اصلاح لائے تاکہ بے قصور کو سزا نہ ہو اور مجرم چھوٹ نہ پائے۔

۲۱۔راتوں کو گشت کر کے رعایا کا حال معلوم کرنے کا طریقہ نکالا۔

۲۲۔رضاکاروں کی تنخواہیں مقرر کیں۔

۲۳۔آپ کسی شعبے کا سربراہ مقرر کرتے وقت اس شخص کے مال و اسباب اور اثاثوں کی فہرست مرتب کرواتے۔

۲۴۔وبائی امراض اور قحط کے دنوں میں رعایا کے آرام کے لیے بہترین انتظامات کیے۔

۲۵۔بیت المقدس کو بغیر کسی جنگ کے، فتح کیا۔آج پھر بیت المقدس پر یہود ونصاریٰ اور مجوسیوں کی نظریں ہیں اور صہیونی یہودیوں نے وہاں خون کا بازار گرم کر رکھا ہے، مسلمانوں کی نسل کشی کی جارہی ہے اور چالیس ہزار کے قریب مسلمان، جن میں خواتین اور بچے بھی شامل ہیں، شہید کیے جاچکے ہیں، دوسری طرف زخمیوں کے لیے اسپتالوں میں ادویات ہیں نہ معالج اور پورا غزہ کا علاقہ بدترین انسانی المیے سے دوچار ہے، لوگوں کے پاس نہ رہنے کو مکان ہے، نہ عبادت گاہیں اور درس گاہیں سلامت ہیں، نہ ہسپتال اور دواخانے، یہاں تک کہ وہ ایک ایک روٹی کے محتاج ہوچکے ہیں، لیکن مسلم حکمران آنکھوں پر غفلت کی پٹی باندھ کر سو رہے ہیں، جب کہ عالمی ضمیر بھی مدہوش ہے اور غزہ وفلسطین کے مظلوموں کی بحالی نیز صہیونیت کی بدمعاشی کے عملی توڑ کے لیے کوئی قدم نہیں اٹھایا جارہا ہے۔

۲۶۔حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ،جو یمن کے گورنر تھے،امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس خط لکھا،جس میں لکھا کہ آپ کے یہاں سے میرے پاس جتنے خطوط آتے ہیں،ان پر کوئی تاریخ درج نہیں ہوتی ،جس کی وجہ سے یہ معلوم نہیں ہو پاتا کہ کون سا خط کس وقت،دن یا تاریخ کا لکھا ہوا ہے، لہٰذا آئندہ اگر خطوط میں تاریخ درج کرنے کا اہتمام کیا جائے تو زیادہ بہتر ہو۔(فتح الباری)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ان کی بات مناسب لگی،چنانچہ اس حوالے سے غور کرنے کے لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اکابر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مجلسِ شوریٰ منعقد کی۔آپؓ نے ان صحابہ کرامؓ کے سامنے یہ بات رکھی اور مشورہ طلب کیا کہ اسلامی تاریخ کا آغاز کس واقعے سے کیا جائے ؟بعض نے مشورہ دیا کہ تاریخ کی ابتدا حضور ﷺ کی ولادت سے ہونی چاہیے۔حضرت عمر فاروقؓ نے اس رائے کو ناپسند کیا، کیونکہ اس میں عیسائیوں کے ساتھ مشابہت تھی کہ وہ بھی عیسوی کیلنڈر کا آغاز حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کرتے ہیں۔بعض نے آپ ﷺ کے دنیا سے پردہ فرماجانے کے دن سے تاریخ کی ابتدا کا مشورہ دیا،اس پر بھی اتفاقِ رائے نہ ہو سکا، بالآخر طویل غور و خوص کے بعد تمام صحابہؓ کا اتفاق اس بات پر ہوا کہ ہجرت کے واقعے سے تاریخ مقرر ہو۔امیر المؤمنین حضرت فاروق اعظمؓ نے بھی اس رائے کو پسند فرمایا، کیونکہ ہجرت مدینہ اسلامی تاریخ کا ایک ناقابلِ فراموش واقعہ ہے اور ہجرت ہی سے حق و باطل کے درمیان فرق واضح ہوا۔(شرح

السیر کبیر)

قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ سن ہجری کی ابتدا ربیع الاوّل سے ہوتی، اس لیے کہ آپ ﷺ نے اسی ماہ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تھی، لیکن ربیع الاوّل کے بجائے محرم الحرام سے ابتدا اس لیے کی گئی کہ آپ ﷺ ہجرت کا ارادہ محرم ہی سے فرما چکے تھے، نیز محرم الحرام ہی میں حجاج کرام کی حج سے واپسی بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ سن ہجری کا آغاز حضور ﷺ کی ہجرت سے ہوا اور اسلامی تاریخ میں سال کے پہلا مہینہ محرم الحرام ہی کو برقرار رکھا گیا۔ **(البدایہ والنہایہ)**

اس کیلنڈر میں سالوں کا حساب نبی اکرم ﷺ کے ہجرت مدینہ کے سفر کے وقت سے کیا گیا ہے، اس لیے اسے ہجری کیلنڈر کہا جاتا ہے۔ اس سن کے لکھتے وقت آخر میں چھوٹی سی "ھ" بھی لکھی جاتی ہے جو اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ اس دن کا تعلق ہجرت نبوی کے واقعے سے ہے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اللہ سے دعا کی تھی کہ اے اللہ! مجھے اپنے راستے میں شہادت عطا فرما اور اپنے محبوب کے شہر (مدینے) میں موت عطا فرما۔ **(بخاری)**

اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا من وعن قبول فرمائی، چنانچہ 26 ذی الحجہ، 23 ہجری کی ایک صبح، جب آپ نمازِ فجر کی امامت کر رہے تھے، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے پارسی غلام، ابولؤلؤ فیروز مجوسی نے زہر سے بجھے دو دھاری خنجر سے آپؓ پر وار کیے۔ آپؓ نے زخمی ہو کر نیچے گرنے سے پہلے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو کھینچ کر اپنی جگہ کیا اور گر کر بے

ہوش ہو گئے۔ ابولولو ملعون نے بھاگتے ہوئے مزید 12 افراد کو زخمی اور 6 کو شہید کر دیا۔ لوگوں نے گھیر کر اسے پکڑا، تو اس نے خودکشی کر لی۔ تین دن زخمی حالت میں رہنے کے بعد، آپؓ یکم محرم، 24 ہجری، بروز ہفتہ 63 برس کی عمر میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

وصیت کے مطابق حضرت صہیب رومیؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور آپؓ کی خواہش کے مطابق، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اجازت سے روضۂ رسول ﷺ میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پہلو میں سپردِ خاک کیا گیا۔ آپ ساڑھے دس سال تک مسلمانوں کے خلیفہ رہے۔

شہید کربلا حضرت حسین رضی اللہ عنہ:

ابھی حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ، شکم مادر ہی میں تھے کہ حضرت حارثؓ کی صاحبزادی نے ایک خواب دیکھا کہ کسی نے رسول اللہ ﷺ کے جسد اطہر کا ایک ٹکڑا کاٹ کر ان کی گود میں رکھ دیا ہے۔ انہوں نے آنحضرت کی خدمت میں یہ خواب عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے ایک عجیب و غریب خواب دیکھا ہے، جو ناقابل بیان ہے۔ فرمایا: بیان کرو، آخر کیا خواب ہے؟ رسول اللہ ﷺ کے حکم پر انہوں نے خواب بیان کیا۔ خواب سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تو نہایت مبارک خواب ہے، فاطمہؓ کے ہاں لڑکا پیدا ہو گا اور تم اسے گود میں لو گی۔ (مستدرک حاکم)

کچھ دنوں کے بعد اس خواب کی تعبیر ملی۔ حضرت سیدنا حسینؓ بروز ہفتہ، ۴ شعبان ۴ ہجری کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ تشریف

لائے اور فرمانے لگے: بچے کو دکھاؤ، کیا نام رکھا ہے؟ نو مولود بچے کو منگوا کر اس کے کانوں میں اذان دی، پھر فاطمہؓ کو عقیقہ کرنے اور بچے کے بالوں کے وزن کے برابر چاندی خیرات کرنے کا حکم دیا، ساتویں دن عقیقہ کیا گیا۔ والدین نے ''حرب'' نام رکھا تھا، یہ نام آپ ﷺ کو پسند نہ آیا اور آپ نے بدل کر'' حُسین'' نام رکھا، کیونکہ آپؓ حسن وجمال میں بھی باکمال تھے۔

(مستدرک حاکم، اسد الغابہ)

آپ کا نام حُسینؓ، ابو عبداللہ کنیت، جنت کے جوانوں کے سردار (سیدُ شبابِ اھل الجنتہ) لَقب، والد کا نام علیؓ۔

سلسلہ نسب یوں ہے: حُسینؓ بن علیؓ بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف۔

حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (حضرت) حسینؓ سینے کے درمیان سے سر تک رسول اللہ ﷺ کے مشابہہ تھے اور اس سے نچلے حصے میں میرے یعنی اپنے والد گرامی کے مشابہہ تھے۔ گویا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا چہرہ رسول اللہ ﷺ کے چہرے کے مشابہہ تھا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم ﷺ کی زندگی سے تقریباً پانچ سال پائے۔ آپؓ کی فضیلت کے لیے یہی کافی ہے کہ آپ رسول اکرم ﷺ کی سب سے چھوٹی اور لاڈلی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنھا کے لختِ جگر تھے۔

احادیث طیبہ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بہت سے فضائل وارد

ہوئے ہیں،، جن میں سے بعض کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے:

۱۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک یہ فرشتہ آج رات زمین پر نازل ہوا، اس سے پہلے یہ کبھی زمین پر نہیں آیا تھا، اس نے اللہ تعالیٰ سے مجھے سلام کرنے اور مجھے یہ خوشخبری دینے کی اجازت طلب کی کہ فاطمہؓ جنت کی عورتوں کی سردار ہوں گی اور حسن اور حسین (رضی اللہ عنہما) نوجوانانِ جنت کے سردار ہوں گے۔ (ترمذی)

۲۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! میں ان دونوں (حضرات حسنینؓ) سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما اور جو ان سے محبت کرتے ہیں ان کو بھی تو اپنا محبوب بنالے۔

۳۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حسینؓ مجھ سے ہے اور میں حُسینؓ سے ہوں۔ جو حسینؓ سے محبت رکھے اللہ اس سے محبت رکھے۔

۴۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! میں حسینؓ سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اس سے محبت فرما۔

۵۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک حسن اور حسین (رضی اللہ عنہما) دنیا میں میرے دو پھول ہیں۔ (ترمذی)

۶۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کو یہ بات اچھی لگے کہ وہ جنتی شخص کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ (حضرت) حُسین بن علیؓ کو دیکھ لے۔

۷۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے ان دونوں (حضرات حسنینؓ) سے

محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان دونوں کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔ **(ابن ماجہ، ترمذی، مستدرک حاکم، بخاری مسلم)**

۸۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم ﷺ اپنے گھر سے نکل کر ہمارے پاس تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما بھی تھے، ایک آپؐ کے ایک کندھے پر اور دوسرے آپؐ کے دوسرے کندھے پر تھے اور آپ ﷺ کبھی ایک سے پیار کرتے اور کبھی دوسرے سے۔ چنانچہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ ! کیا آپ ﷺ کو ان سے محبت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے اِن سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے اِن سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔ **(مسند احمد، ابن ماجہ)**

۹۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اس دوران حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما نمودار ہوئے۔ انہوں نے سرخ رنگ کی قمیضیں پہنی ہوئی تھیں اور وہ ان میں بار بار پھسل رہے تھے۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ منبر سے نیچے اترے، اپنا خطبہ روک دیا، انہیں اٹھایا اور اپنی گود میں بٹھا لیا، پھر آپ ﷺ انہیں اٹھائے ہوئے منبر پر چڑھے۔ اس کے بعد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے: ”بے شک تمہارے اموال اور تمہاری اولاد آزمائش ہیں۔“ میں نے انہیں دیکھا تو مجھ سے رہا نہ جا سکا۔ پھر آپ ﷺ نے اپنا

خطبہ مکمل فرمایا۔ (ابوداؤد)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بارے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پہلے ہی رسول اکرم ﷺ کو آگاہ کر دیا تھا۔ چنانچہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنھا کا بیان ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے، اس وقت حضرت حسینؓ میرے پاس تھے، اچانک وہ رونے لگ گئے، میں نے انہیں چھوڑا تو وہ سیدھے آپ ﷺ کے پاس چلے گئے۔ جبرئیل علیہ السلام نے پوچھا: کیا آپ ان سے محبت کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جی ہاں! تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا: بے شک آپ ﷺ کی امت انہیں عنقریب قتل کر دے گی اور اگر آپ ﷺ چاہیں تو میں آپ ﷺ کو اس سرزمین کی مٹی لاکے دکھا دوں، جس پر انہیں قتل کیا جائے گا۔ پھر انہوں نے وہ مٹی آپ ﷺ کو دکھائی اور یہ وہ سرزمین تھی، جسے کربلا کہا جاتا ہے۔ (مسند احمد، بسند حسن)

تمام صحابہ کرامؓ رسالت مآب ﷺ کی اتباع میں حسنین کریمین رضی اللہ عنھما سے خصوصی شفقت و محبت رکھتے اور اکرام فرماتے۔ نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد خلیفۃ الرسولؐ حضرت ابو بکر صدیق، امیر المومنین سیدنا حضرت عمر فاروق اور سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنھم بھی حضرات حسنین رضی اللہ عنھما کو نہایت عزیز اور مقدم رکھتے اور انہیں اپنی اولاد پر ترجیح دیتے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دور میں آپؓ تقریباً آٹھ نو برس کے تھے۔ آپؓ سے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بہت زیادہ ادب و

محبت سے پیش آتے تھے اور آپؓ کو اپنے کندھوں پر بٹھاتے تھے۔امیر المؤمنین حضرت عمر فارق رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے دور میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لیے پانچ ہزار ماہانہ وظیفہ مقرر کیا تھا، جو خود ان کے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے وظیفے سے بھی زیادہ تھا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں آپؓ پورے جوان ہو چکے تھے۔ چنانچہ سب سے اول اسی دور میں میدانِ جہاد فی سبیل اللہ میں قدم رکھا۔جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت برپا ہوئی اور باغیوں نے حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنھما کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حفاظت پر مامور کیا کہ باغی اندر گھسنے نہ پائیں۔ انہوں نے نہایت بہادری سے باغیوں کو گھر گھسنے سے روکا، تاہم باغی کوٹھے پر چڑھ کر اندر پہنچ گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر ڈالا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شہادت کی خبر ہوئی تو انہوں نے دونوں بھائیوں سے سخت بازپرس کی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں دونوں صاحبزادگان جوان ہو چکے تھے اور امور مملکت کی انجام دہی میں بھی والد گرامی کے شانہ بشانہ رہتے تھے۔جنگ جمل اور جنگ صفین میں اگرچہ اپنے والد کی طرف سے شریک ہوئے، تاہم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دوسرے صحابہؓ، جو متحارب فریق تھے، کے ساتھ بھی ادب واحترام کا تعلق برقرار رکھا، یہاں تک کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ جنگ جمل سے لوٹنے لگیں، تو حضرت حسن و حسین رضی

اللہ عنہما ان کو الوداع کہنے والوں میں سب سے آگے تھے۔جنگ جمل کے بعد خوارج کے ساتھ تمام صحابہؓ ،جن میں دونوں فریق شامل تھے،نے مل کر جو جنگ نہروان لڑی،اس میں بھی حضرت حسینؓ پیش پیش رہے۔

جب تقریباًچھ ماہ خلیفہ رہنے کے بعد حضرت حسنؓ،حضرت معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہوئے اور اُن کے ہاتھ پر بیعت کی،توحضرت حسینؓ نے بھی ان کے ساتھ ہی امیر المؤمنین کی بیعت کی۔

(تاریخ ابن عساکر،فتح الباری شرح بخاری،مصنف ابن ابی شیبہ)

اس کا ثبوت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں ہونے والے جنگی معرکوں میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شرکت سے بھی ملتاہے۔**(البدایہ)**

خلافت سے دستبرداری کے بعد حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنھماہر سال وفد کی صورت میں اپنی اولاد اور اہل خانہ کے ہمراہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں جاتے اور قیام کرتے تھے۔**(تاریخ ابن عساکر)**

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ بے حد فیاض، نہایت متقی، عبادت گزار اور کثرت کے ساتھ نیک عمل کرنے والے تھے۔ سخاوت، مہمان نوازی، غربا پروری، اخلاق و مروت، حلم و تواضع اور صبر و تقوی آپ کی خصوصیات حسنہ تھیں۔ مالی اعتبار سے آپ کو خدا نے جیسی فارغ البالی عطا فرمائی تھی، اسی مقدار میں آپؓ راہ خدا میں خرچ کیا کرتے تھے۔آپؓ حد درجہ خاکسار اور متواضع تھے۔ ادنی سے ادنی شخص سے بھی بے تکلفی سے ملنا آپؓ کی عادت مبارک تھی۔

آپؓ کو نماز سے بے حد شغف تھا۔ اکثر روزے سے رہتے۔ حج و عمرہ کی ادائیگی کا ذوق اتنا تھا کہ متعدد حج پاپیادہ ادا فرمائے۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اپنی ذات میں ایک امت تھے، علم و تقویٰ کے ماحول میں آنکھ کھولی اور خانوادہ نبوی ﷺ میں پرورش پائی، اسی لیے معدنِ فضل و کمال بن گئے۔ تمام ارباب سیرت نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے فضل و کمال کا اعتراف کیا ہے، حصول علم کے بعد مسند تدریس کو زینت بخشی اور مسند افتا پر فائز ہوئے۔ اکابر مدینہ مشکل مسائل میں آپ کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ آپؓ دینی علوم کے علاوہ عرب کے مروجہ علوم میں بھی دسترس رکھتے تھے۔ آپ کے تبحر علمی، علم و حکمت اور فصاحت و بلاغت کا اندازہ آپ کے خطابات سے کیا جاسکتا ہے۔ جن میں سے کچھ آج بھی کتب سیرت میں موجود ہیں۔

سیدنا حسین بن علیؓ تاریخ کی ان چند مظلوم شخصیات میں سے ہیں جو کہ ایک حادثہ فاجعہ سے دوچار ہو کر نہ صرف مظلومانہ شہید ہوئے بلکہ ان کی پوری کی پوری شخصیت کو اس حادثہ فاجعہ کے تناظر میں ہی دیکھا جانے لگا اور ان کی شخصیت کے دوسرے نمایاں خدوخال اور کارنامے محو ہو کر رہ گئے۔ ہمیں سخت حیرت ہوتی ہے کہ ایک طرف تو ہمارا وہ طبقہ ہے جو کہ شیعیت سے متاثر ہے کہ اس کو سیدنا حسینؓ کی زندگی میں واقعہ کربلا کے علاوہ اور کوئی قابل ذکر بات نظر نہیں آتی اور وہ اسی کا پرچار کرتا رہتا ہے جبکہ دوسرا طبقہ وہ ہے جو کہ ایک دوسری انتہا پر جا کر انتہائی گستاخانہ لہجے میں دعویٰ کرتا ہے کہ سیدنا حسینؓ کی زندگی میں کربلا کے علاوہ اور کوئی قابل ذکر بات تھی ہی نہیں۔ استغفر اللہ۔ یہ

دونوں گروہ افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ جبکہ سیدنا حسینؓ کی پوری زندگی اعلائے کلمۃ اللہ کی سربلندی کے لئے جدوجہد سے معمور تھی اور اپنے عہد جوانی سے ہی سیدنا حسینؓ مختلف غزوات میں شامل رہے۔

سیدنا ابو بکر صدیقؓ اور سیدنا عمرؓ کے دور میں تو سیدنا حسینؓ عہد طفولیت میں تھے لیکن سیدنا عثمانؓ کے دور میں عہد جوانی میں قدم رکھتے ہی سیدنا حسینؓ تمام نمایاں غزوات اور جہادی مہم میں شامل رہے۔ چنانچہ خلافت عثمانی کے دور میں سیدنا حسینؓ نے غزوہ طبرستان میں شرکت کی جس کی امارت سعید بن العاصؓ کے ہاتھ میں تھی جو اس وقت کوفہ کے گورنر تھے۔

اسی طرح سیدنا عثمانؓ نے جو فوج افریقہ روانہ فرمائی، سیدنا حسینؓ اس میں بھی شامل تھے اور افریقہ فتح ہونے تک دشمنوں سے لڑتے رہے۔ طرابلس میں رومیوں کے خلاف برسرپیکار رہے جبکہ سبطلہ کے حاکم جرجیر کی ڈیڑھ لاکھ فوج سے جہاد کیا اور فتح مند ہوئے۔ قفصہ کی جنگ میں بھی تلوار کے جوہر دکھائے اور کامران رہے، بعدازاں قلعہ اجم کے محاصرہ میں بھی سیدنا حسینؓ کا برابر حصہ تھا۔

ابن خلدونؒ کے مطابق سیدنا حسینؓ بہت سی مغربی جنگوں میں شامل رہے جیسا کہ اوپر جہاد طبرستان کا ذکر گزر چکا ہے جو کہ سن ۳۰ ہجری میں ہوا تھا۔ علاوہ بریں خراسان، قومس، نہاوند، جرجان، طمیسہ، بحیرہ، دہستان اور ایسی متعدد جنگوں میں سیدنا حسینؓ نے شرکت فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے ان تمام جنگوں میں مسلمانوں کو فتح و نصرت سے ہمکنار کیا۔ یہ تمام فتوحات سیدنا عثمانؓ کے

عہد مبارک میں ہوئیں۔

سیدنا عثمانؓ کے آخری دور میں آپ ان حضرات میں شامل تھے جو کہ پہرہ دار کی حیثیت سے سیدنا عثمانؓ کے دروازے پر تعینات تھے اور بلوائیوں سے سیدنا عثمانؓ کی حفاظت کرتے ہوئے شدید زخمی بھی ہوئے۔ سیدنا حسینؓ کی طرح سیدنا حسنؓ اور سیدنا مروانؓ بھی بلوائیوں سے سیدنا عثمانؓ کی حفاظت کرتے ہوئے زخمی ہوئے تھے۔

سیدنا علیؓ کے دور میں مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی کی وجہ سے کفار کے خلاف جہاد نہ ہوسکا سو اس عہد میں دوسرے مسلمانوں کی طرح آپ کا کسی جہاد میں شامل ہونے کا امکان نہیں رہتا۔ البتہ سیدنا معاویہؓ کے دور میں جب فتوحات اسلامی اور جہاد کا پھر سے آغاز ہوتا ہے تو سیدنا حسینؓ کی پوری حمایت و موجودگی ان فتوحات و جہاد میں شامل رہتی ہے۔

سیدنا معاویہؓ کے دور حکومت میں عقبہ بن نافع الفہری کی سرکردگی میں دوبارہ جہاد افریقہ شروع ہوتا ہے تو سیدنا حسینؓ ایک دفعہ پھر اس میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ اسکے بعد جب سیدنا معاویہؓ کی اسلامی فوجیں بلاد روم میں داخل ہوتی ہیں تو سیدنا حسینؓ ان میں بھی شریک نظر آتے ہیں۔

یہاں تک کہ قسطنطنیہ پر حملہ آور ہونے والا پہلا لشکر جس کے سپہ سالار یزید بن معاویہؒ تھے اور جس میں سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، سیدنا عبداللہ بن عباسؓ، سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ اور میزبان رسول سیدنا ابوایوب انصاریؓ بھی شامل تھے، ان سب حضرات کے ساتھ سیدنا حسینؓ بھی اس لشکر میں شامل تھے۔ یاد رہے

کہ یہ وہی لشکر ہے جس کے جنتی ہونے کی شہادت لسان نبوت ﷺ نے دی تھی اور اسی وجہ سے اس لشکر میں صحابہ نے دور دراز سے شرکت کی اور سیدنا ابو ایوب انصاریؓ اپنی کبر سنی اور ضعف کے باوجود اس لشکر میں شامل ہو کر لڑنے آئے اور قسطنطنیہ کے محاصرے کے دوران ہی آپؓ کا انتقال ہوا تھا۔ اسی مبارک لشکر کے بارے میں امام ابن کثیر اپنی کتاب البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۵۱ میں لکھتے ہیں کہ:

"سیدنا حسینؓ ہر سال سیدنا معاویہؓ کے پاس جایا کرتے تھے اور سیدنا معاویہؓ ان کو انعام واکرام سے نوازتے تھے اور حسینؓ اس لشکر میں شامل تھے، جس نے قسطنطنیہ میں یزید بن معاویہ کی معیت میں حملہ کیا تھا۔"

شیعہ مصنف سید امیر علی اس بابت اپنی تالیف ہسٹری آف سیر یسنس صفحہ ۸۴ میں لکھتے ہیں کہ سیدنا حسینؓ نے قسطنطنیہ کے محاصرے میں عیسائیوں کے خلاف بڑی شاندار خدمات سرانجام دیں۔

المختصر! سیدنا حسینؓ کی پوری زندگی جہاد اسلامی میں گزری اور واقعہ کربلا کے علاوہ ان کی زندگی کے اور بھی بہت سے نمایاں پہلو ہیں اور وہ کسی طور سے جہاد و غزوات میں دوسرے مسلمانوں سے پیچھے نہیں رہے تھے۔ سو جو لوگ سیدنا حسینؓ پر اس طرح کی لغو پھبتی کستے ہیں کہ واقعہ کربلا کے علاوہ سیدنا حسین کی زندگی کا کوئی نمایاں پہلو اور کارنامے نہیں تھے، ان کو اپنی اس کوتاہ فہمی اور کم علمی پر استغفار کرنا چاہیے اور اپنی کم علمی پر سیدنا حسینؓ کی بابت اس طرح کی خامہ فرسائی سے توبہ کرنی چاہیے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کا بیٹا یزید خلیفہ بنا۔اس دوران اہلِ کوفہ کی جانب سے خطوط کا سلسلہ شروع ہواجن میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو دعوت دی گئی کہ کوفہ تشریف لائیں، جہاں لوگوں کی کثیر تعداد ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے تیار ہے۔ کوفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دارالخلافہ تھا اور یہیں ان کی شہادت ہوئی تھی۔ حضرت عبداللہ ابن زبیر سمیت کئی جلیل القدر صحابہ کرامؓ، حضرت حسینؓ کو روکتے رہے کہ کوفہ نہ جائیں اور حجاز ہی میں سکونت اختیار کریں، اس لیے کہ اہلِ کوفہ ناقابلِ اعتبار ہیں۔ چنانچہ حضرت حسینؓ نے، مسلم بن عقیلؒ کو، جو حضرت حسین کے چچازاد بھائی تھے، کوفہ کے حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ جب وہ وہاں پہنچے تو اس وقت 12 ہزار لوگوں نے یقین دہانی کروائی کہ وہ حضرت حسینؓ کے دستِ حق پرست پر بیعت کرنے کے لیے تیار ہیں۔ جب حضرت حسینؓ کو اس کی اطلاع ملی تو حضرت حسینؓ نے کوچ کرنے کا ارادہ کیا اور اپنے ساتھ اپنے کنبے کے افراد کو بھی ساتھ لیا، جن کی تعداد 72 تھی۔ جب آپؓ راستے ہی میں تھے تو اس وقت کوفہ میں آپ کے حامی یزید کے گورنر عبیداللہ ابن زیاد کے خوف سے آپؓ کی حمایت سے دستبردار ہوگئے۔ مسلم بن عقیلؒ اور حضرت حسینؓ کے وفادار حامیوں کو شہید کردیا گیا۔جب حضرت حسینؓ کربلا کے مقام پر پہنچے تو وہ اندوہناک واقعہ پیش آیا جس کو واقعہ کربلا سے یاد کیا جاتا ہے۔ تاریخی کتب کے مطابق: یکم محرم الحرام ۶۱ ہجری کو حضرت حُسینؓ کربلا پہنچے اور دوسرے دن عمر بن سعد پہنچا۔ عمر بن سعد نے کہا:

آپ یزید کے مقابلے میں خلافت کے زیادہ مستحق ہیں لیکن خدا کو منظور نہیں کہ حکومت و خلافت آپ کے خاندان میں رہے، حضرت علیؓ اور حضرت حسنؓ کے حالات آپ کے سامنے ہیں، اگر آپ حکومت کا خیال چھوڑ دیں تو آپ کو آزاد کیا جاسکتا ہے، ورنہ آپ کی جان کو خطرہ ہے اور ہمیں آپ کو گرفتار کرنے کی ذمے داری دی گئی ہے۔ اس کے جواب میں آپؓ نے فرمایا:

"میں اس وقت تم سے تین (۳) باتیں کہتا ہوں، جس بات کو چاہو میرے لیے منظور کرلو۔ پہلی یہ کہ مجھے واپس مکہ جانے دو تاکہ میں وہاں پہنچ کر عبادت الٰہی میں مصروف ہو جاؤں۔ دوسری یہ کہ مجھے کسی اسلامی سرحد کی طرف نکل جانے دو تاکہ میں کفار سے لڑتا لڑتا شہید ہو جاؤں۔ تیسری یہ کہ مجھے یزید کے پاس دمشق جانے دو، تم میرے پیچھے پیچھے اپنے اطمینان کی غرض سے چل سکتے ہو، میں یزید کے پاس جاکر براہ راست معاملہ طے کرلوں گا، جیسا کہ میرے بھائی حضرت حسنؓ نے امیر معاویہؓ سے طے کیا تھا۔"

ابن سعد نے حضرت سیدنا حسینؓ کا پیغام عبیداللہ بن زیاد تک پہنچایا۔ عبیداللہ بن زیاد خوش ہوا کہ حضرت حسینؓ یزید کی بیعت کرلیں گے، لیکن وہاں شمر موجود تھا۔ اس نے مشورہ دیا کہ حُسینؓ کو قتل کردو، کیونکہ یزید کے ہاں ان کے مقابلے میں تمہاری کوئی عزت نہ رہے گی۔ چنانچہ ابن زیاد نے عمر بن سعد کو لکھ بھیجا کہ یہ تینوں باتیں منظور نہیں، حسینؓ اپنے آپ کو ہمارے حوالے کردیں اور میرے ہاتھ پر یزید کی بیعت کرلیں، اس کے علاوہ کوئی اور صورت قابلِ قبول نہیں ہے۔ اس بات کو سن کر سیدنا حسینؓ نے فرمایا: ابن

زیاد کے ہاتھ پر یزید کی بیعت کرنے سے مر جانا بہتر ہے۔

اسی خط و کتابت میں ایک ہفتہ گزر گیا۔ ابن زیاد کو فکر لاحق ہوئی، اس نے ابن سعد کو غصے بھرا خط لکھا اور جنگ شروع نہ کرنے پر گرفتاری کی دھمکی دی۔ پھر شمر کو بھی فوج دے کر کربلا روانہ کیا کہ اگر تم نے حسین کو گرفتار نہ کیا یا سر کاٹ کر میرے پاس نہ لائے تو تمہیں گرفتار کر لیا جائے گا۔ یہ خط ۹ محرم الحرام ۶۱ ہجری کو ابن سعد کے پاس پہنچا ابن سعد نے فوج کو جنگ کے لیے تیاری کا حکم دے دیا۔ اسی شام شمر بھی کربلا پہنچ گیا۔ ۹ محرم الحرام ۶۱ ہجری کی رات کو حضرت حُسینؓ اور اُن کے ساتھیوں کو پانی سے محروم کر دیا گیا، پھر دس محرم کا دن شروع ہوا تو جنگ سے پہلے حضرت امام حسینؓ نے کوفہ والوں کو اُن کے خطوط اور وفاداری کے وعدے یاد دلائے لیکن کسی نے ان کا ساتھ نہ دیا۔ جنگ شروع ہوئی تو حضرت حُسینؓ کے ساتھیوں اور اہل خانہ نے بہادری کے جوہر دکھائے اور ایک ایک کر کے شہید ہوتے چلے گئے۔ خیمے میں حضرت علیؓ اوسط زین العابدین رہ گئے جو بیمار تھے۔ ایک وقت ایسا آیا کہ سبطِ رسول ﷺ جگر گوشۂ بتولؓ، نوجوانانِ جنت کے سردار حضرت حسینؓ تنہا رہ گئے، لیکن جس بہادری اور جرأت سے لڑے، اس کی مثال نہیں ملتی۔ آپ پر چاروں طرف سے نیزوں اور تیروں اور تلواروں سے حملے ہو رہے تھے، آپؓ دشمنوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ جب آپؓ کا گھوڑا بھی زخمی ہو کر گر پڑا تو آپؓ نے پیدل لڑنا شروع کر دیا۔ شمر نے چھ آدمیوں کو ساتھ لے کر آپؓ پر حملہ کیا۔ ایک نے تلوار کے وار سے حضرت حسینؓ کا بایاں ہاتھ مبارک کاٹ دیا۔ دایاں ہاتھ اس

قدر زخمی تھا کہ تلوار اٹھانا مشکل تھی۔ اسی دوران سنان بن انس نے آپؓ کے شکم مبارک میں نیزہ مارا، جس سے آپؓ شہید ہوگئے۔ شمر یا اس کے حکم سے کسی دوسرے شخص نے حضرت حسینؓ کا سر کاٹ لیا۔

آپؓ کا سر مبارک اور اہل بیت کی خواتین کو زین العابدینؒ کے ساتھ کوفہ میں ابن زیاد کے پاس بھیج دیا گیا۔ تیسرے روز شمر کے ساتھ ایک فوجی دستے کی نگرانی میں یہ قیدی اور سر مبارک دمشق یزید کے پاس روانہ کیا گیا۔ چند دن مہمان رکھنے کے بعد اس تباہ حال قافلے کو مدینہ روانہ کیا گیا۔

(تاریخ طبری، تاریخ اسلام، اسد الغابہ تاریخ ابن ہشام، تاریخ ابن خلدون)

سب سے اول حر بن قیس نے یزید کے دربار میں حضرت حسینؓ اور آپؓ کے ساتھیوں کی شہادت کی خبر پہنچائی یزید یہ خبر سن کر آبدیدہ ہوا اور بولا: اگر تم لوگ حسین کو قتل نہ کرتے تو میں تم سے زیادہ خوش ہوتا۔ ابن زیاد پر خدا کی لعنت ہو، اگر اس کی جگہ میں ہوتا تو خدا کی قسم! حسینؓ کو معاف کر دیتا، خدا حسینؓ پر اپنی رحمت نازل کرے۔ حر نے انعام و اکرام کے لالچ میں بڑی لفاظی کی، لیکن یزید نے اسے کچھ نہ دیا۔ **(طبری)**

مفسر و مؤرخ علامہ حافظ ابن کثیر البدایہ والنہایہ میں لکھتے ہیں:

"واقعہ کربلا دغابازی، بے وفائی اور غداری کی عبرت انگیز داستان بھی ہے۔ اہلِ کوفہ نے سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنھما کو خطوط لکھ لکھ کر کوفہ بلایا تھا، پھر مصیبت میں آپ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اہلِ بیت کے خون سے اپنا ناپاک ہاتھ رنگنا غداری و بے وفائی کی بہت ہی المناک اور گھناؤنی تاریخ ہے

،جس کے حرف حرف سے مکر وفریب کی بدبو پھیلتی ہے۔"

تنبیہ: ہر شخص اپنے عمل کے لیے جواب دہ ہے،اولاد کی تربیت ونگہداشت کا فریضہ باپ پر اُس کی زندگی میں تو کسی نہ کسی درجے رہتا ہے،تاہم اس کے دنیا سے پردہ فرماجانے کے بعد اولاد کے کسی عمل کا ذمے دار باپ کو قرار نہیں دیا جاسکتا،لہٰذا یزید کے دورِ حکومت میں خانوادۂ اہلِ بیت کی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سمیت شہادت کا کسی بھی درجے میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو ذمے دار قرار نہیں دیا جاسکتا،ایسا کرنے والا اپنی ہی منزل کھوٹی کرے گا،اس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقام ومرتبے میں رتی برابر کمی واقع نہیں ہوگی، کیونکہ وہ تو اُس جماعت کے فردِ فرید ہیں،جس کے جنتی ہونے کی بشارت اللہ تعالیٰ نے خود کئی بار اپنی لازوال آخری آسمانی کتاب میں دی ہے۔

عاشوراء محرم کے احکام:

محرم الحرام کی دس تاریخ کو عاشورہ کہا جاتا ہے۔ اسلام سے پہلے کے مذاہب میں بھی اس دن کو تقدیس حاصل رہی ہے اور اسلام نے بھی اس کی تقدیس برقرار رکھی ہے، نبی اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ اللہ تعالیٰ نے (پہلے بھی) بہت سی قوموں پر اس دن میں رحمت کی توجہ فرمائی اور آئندہ بھی اس دن میں بہت سے لوگوں پر رحمت فرمائیں گے۔ طوفان نوح کے دوران دس محرم کے دن نوح علیہ السلام کی کشتی جودی نامی پہاڑ پر جاکر ٹھہری تھی اور کشتی کے سواروں کو طوفان سے نجات ملی تھی،اسی طرح فرعون لعین اور اس کی فوجی طاقت نے قوم بنی اسرائیل پر بے پناہ مظالم ڈھارکھے تھے،ان ظالموں کو

جس دن بحیرۂ قلزم میں غرق کر دیا گیا وہ بھی عاشورۂ محرم کا دن تھا۔ (محرم میں پیش آنے والے مزید واقعات آپ اوپر دیکھ چکے ہیں۔)

جب نبی علیہ السلام ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ آئے تو عاشوراء کا دن آیا۔ آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ آج یہودیوں نے روزہ رکھا ہوا ہے۔ آپ نے اُن یہودیوں کو بُلا کر اُن سے سوال کیا کہ تم نے روزہ کیوں رکھا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ آج کے دن اللہ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو فرعون سے نجات دی تھی، اس لیے ہم شکر کے طور پر آج کے دن کا روزہ رکھتے ہیں۔ اس جواب پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: موسیٰ (علیہ السلام) تو ہمارے بھائی ہیں، ہم اس روزہ رکھنے کے زیادہ حق دار ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو صرف عاشوراء کا روزہ نہیں رکھوں گا، بلکہ اس کے ساتھ ایک روزہ اور ملاؤں گا اور نو محرم کا یا گیارہ محرم کا روزہ بھی رکھوں گا، تاکہ یہودیوں کے ساتھ مشابہت ختم ہو جائے۔ جیسا کہ ایک اور حدیث میں آتا ہے عاشوراء کا روزہ تو ضرور رکھو، مگر یہود سے امتیاز کے لئے آگے یا پیچھے ایک دن کا اضافہ کرو۔ **(احمد)**

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: رمضان کے بعد سب مہینوں سے زیادہ افضل محرم الحرام کے روزے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے عاشوراء کے دن کا روزہ رکھا اور آئندہ سال دو روزے رکھنے کا ارادہ فرمایا۔ **(مشکوٰۃ عن مسلم)**

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ سب سے زیادہ اہتمام نفل روزوں میں عاشوراء کے روزے کا فرماتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عاشوراء کے روزے کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے غالب توقع رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس سے گزشتہ ایک سال کے گناہ معاف فرمادیں گے۔ **(مسلم شریف)**

روزے کے کئی فائدے ہیں۔ایک تو یہ کہ تقویٰ نصیب ہوگا ،کیونکہ روزے سے مقصود تقویٰ ہے۔ دوسرے: یہ روزہ سنت ہے،اس لیے اتباع سنت کا ثواب ملے گا اور تیسرے: اللہ پاک روزے دار کو اس دن جو خرافات ہوتی ہیں، روزے کی برکت سے اُن سے بچائیں گے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے نقل کیا گیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرا جو اُمتی عاشورا کے دن اپنے اہل وعیال پر رزق میں فراخی کرے گا تو اللہ تعالیٰ پورے ایک سال اس کے رزق میں فراوانی عطا فرمائے گا۔ **(مشکوٰۃ شریف)**

حضرت سفیانؒ اپنا تجربہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں ہم نے نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد پر عمل کیا تو تجربہ نے یہ ثابت کیا کہ پورے سال ہمارے رزق میں فروانی رہی ۔ لہٰذا اس دن گھر والوں پر کھانے میں وسعت کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ اس عمل کی برکت سے ان شاء اللہ اس کو ضرور فائدہ ہوگا ۔

وما توفیقی إلا باللہ

قارئین کرام کی توجہ کیلئے

موجودہ معاشرے اور نوجوان نسل کے اذہان کے تناظر میں دینی رہنمائی کیلئے وقت کی تنگی اور مطالعہ کی کمی کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ مختصر رسالے شائع کیے جاتے ہیں۔ ان رسالوں کی اشاعت کا مقصد گھر گھر اور در در دینی معلومات کو پہنچانا اور خالصتاً للہ امت کی اصلاح مطلوب ہے۔

اس نیک مقصد میں آپ بھی معاون بن کر حسب توفیق اپنا حصہ ڈال سکتے ہیں۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ ماہانہ ایک ہزار روپے (/1000) روپے سے باقاعدہ ممبر شپ حاصل کر سکتے ہیں۔ آپ کے دیے ہوئے ایڈریس سے مقررہ تاریخ اور مقررہ وقت پر ہمارا نمائندہ رسید کے ساتھ وصول کرتا رہے گا۔

قارئین کرام اپنی استعداد کے مطابق ایک ہزار سے کم اور زیادہ رقم سے بھی ممبر شپ حاصل کر سکتے ہیں، نیز کل سالانہ رقم یکمشت بھی ادا فرما سکتے ہیں۔

اس کے عوض شائع ہونے والا ہر رسالہ (جو مختلف موضوعات پر ہوتا ہے) بذریعہ ڈاک آپ کو ارسال کیا جاتا رہے گا۔

قارئین کرام اپنے مرحومین کے ایصال ثواب کیلئے اپنی خواہش کے مطابق عامۃ الناس کی دینی رہنمائی کا فریضہ ادا کر سکتے ہیں۔

آپ جامعہ بنوریہ عالمیہ کے دیے ہوئے آن لائن اکاؤنٹ میں بھی رقم جمع کروا کر بینک سلپ دے کر رسید حاصل کر سکتے ہیں۔

الملتمس: الجامعۃ البنوریۃ العالمیۃ سائٹ کراچی

اپیل!

بحمد اللہ تعالیٰ اسوۂ صحابیات اور مختلف موضوعات پر مشتمل اصلاح امت کے عنوان سے پابندی سے آنے والے رسالے عوام الناس میں پذیرائی حاصل کر رہے ہیں۔ اس کار خیر میں حصہ لینے کے لیے قارئین سے اپیل کی جاتی ہے کہ اپنی استطاعت کے مطابق اس کی نشر و اشاعت میں حصہ لے کر ثواب دارین حاصل کریں۔

رقم جمع کرانے کیلئے اکاؤنٹ

jamia binoria al-almia
A/C# 716020000825
Askari Bank LTD

رابطہ کیلئے: مولانا محمد جنید صاحب

02132575228+02132575229
موبائل:0322-2394550